بیرسٹر امیر عبداللہ

ترجمہ: محمد واصف

اسلامی شناخت اور مغربی تہذیب کا خطرہ

آسٹریلیا کے تناظر میں

مغرب میں رہنے والے مسلمان اپنی تہذیب اور شناخت کے مسئلے کو مختلف زاویہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک زاویہ وہ ہے جو اس مضمون میں بیان ہوا ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ یہ نقطہ نظر ایک ایسے مسلمان کا ہے جو خود برسوں سے یورپ کے ایک ملک میں آباد ہے، جو ان کے نزدیک کفار کا وطن ہے۔

''اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لیے تم پر ہاتھ (بھی) چلائیں اور زبانیں (بھی) اور چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ''۔ (الممتحنۃ ۶۰:۲)

آسٹریلیا میں مسلمانوں کی مذہبی شناخت بہت تیزی سے روبہ زوال ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے نظریات، عقائد اور طور طریقے کفار کے نظریات، عقائد اور طور طریقے کو اپنے اندر سمو رہے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ ہماری شناخت خطرے میں ہے۔ مسلمانوں کی اسلامی حوالے سے شناخت ہمارے لیے ایک چیلنج بن گیا ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ چیلنج ہمارے لیے اس حوالے سے منفرد نوعیت کا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی اسلامی قیادت، خلافت موجود نہیں ہے اور کوئی ایسا ملک بھی نہیں ہے جس سے اس سلسلے میں تحفظ یا راہنمائی حاصل کی جا سکے۔

مسلمان بہت سی وجوہات کی وجہ سے غیر مسلم ممالک کی طرف جا رہے ہیں لیکن ان میں زیادہ تر وجوہات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان مسلمانوں میں کچھ بطور مہاجر مغربی ممالک میں رہتے ہیں، بہت سے مسلمان بہتر معیار زندگی کے لیے ان ممالک میں جاتے ہیں جبکہ دوسرے بہت سے مسلمان تعلیم، اپنے عزیزوں سے قریب رہنے اور دعوت اسلامی کے مقصد کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے جو کہ صدیوں سے موجود نہیں تھا۔ وہ یہ کہ مسلمان کافی زیادہ غیر مسلم ثقافت اور عقائد سے متعارف ہو رہے ہیں۔

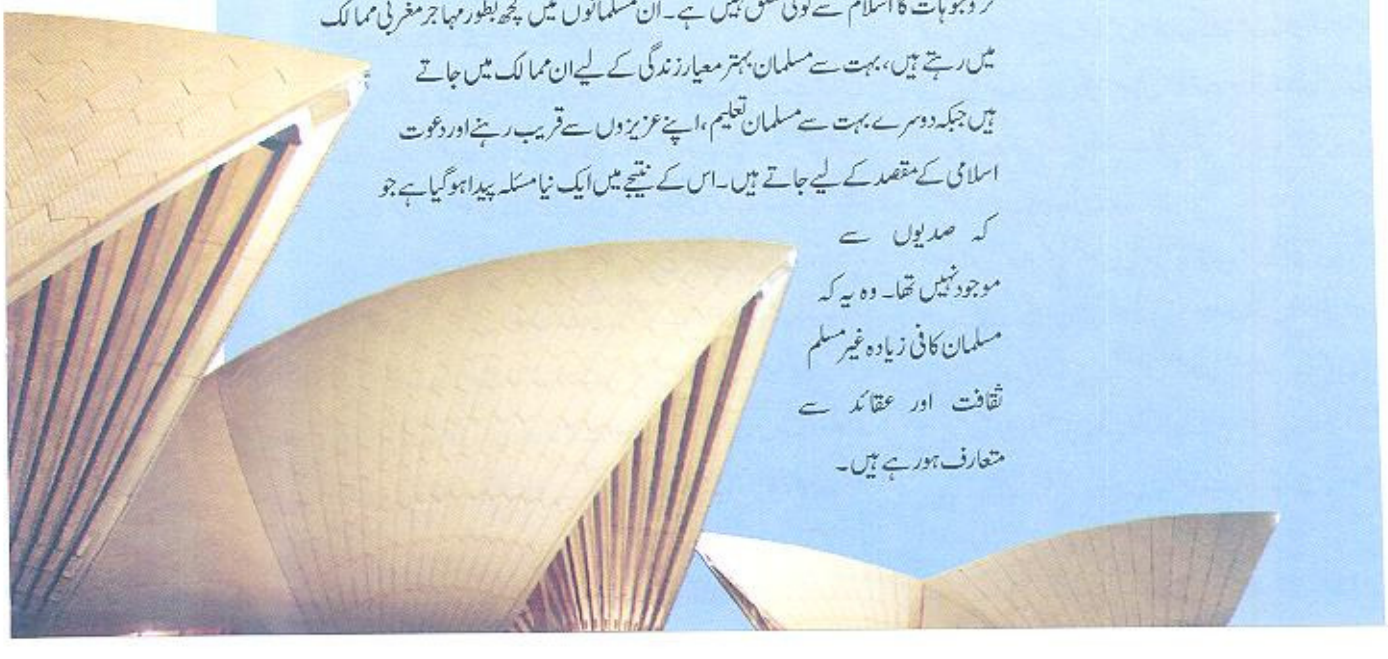

یہ بات بھی حقیقت ہے کہ بہت سے مسلمان بچے انہی مغربی ممالک میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان بچوں کی درست اسلامی شناخت کے ساتھ پرورش ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا ان میں بہت سے مسلمان بچے ''اختیار کردہ وطن'' میں عیسائی اقدار کو اختیار کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم بہت سے مسلمانوں کو اپنی آخری زندگی میں اسلام سے منحرف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

اس مقالہ کا مقصد مسلمان جو کہ غیر مسلموں کے درمیان رہ رہے ہیں ان کے متعلق غلط فہمیوں کے کچھ ذرائع کو بے نقاب کرنا ہے اور اس مسئلہ کے حل سے متعلق کچھ تجاویز اور دفاعی اقدامات پیش کرنا ہے۔

اسلامی شناخت

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو واضح طور پر بیان کریں کہ اصطلاح ''اسلامی شناخت'' سے کیا مراد ہے۔ اسلامی شناخت سے مراد

> اسلامی شناخت سے مراد مسلمان کی طرز زندگی ہے یعنی ایسے تمام عقائد، روایات اور نظریات کا مجموعہ ہے جو قرآن اور پیغمبر ﷺ کی سنت سے اخذ کیے گئے ہوں۔ اسلامی شناخت وہ ہے جو ہمیں کفار سے علیحدہ کرتی ہے

مسلمان کی طرز زندگی ہے یعنی ایسے تمام عقائد، روایات اور نظریات کا مجموعہ ہے جو قرآن اور پیغمبر ﷺ کی سنت سے اخذ کیے گئے ہوں۔ اسلامی شناخت وہ ہے جو ہمیں کفار سے علیحدہ کرتی ہو۔

مغربی ممالک کے تعلیمی نصاب کو کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے عقیدہ سازی کی جا سکے۔ والدین اپنے بچوں کو مسلم سکول سے ہٹا کر غیر مسلموں کے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ والدین کے مقاصد یہ ہوتے ہیں کہ ان سکولوں میں ان کے بچے بہتر تعلیم حاصل کر سکیں اور ان کے بچوں کو کم سے کم اس دنیا میں ایک بہتر زندگی گزارنے کا موقع حاصل ہو سکے۔ مغربی ممالک کے ان سکولوں میں بچوں کو ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جہاں کہ لڑکے لڑکیوں کے آزادانہ میل جول کو برداشت کیا جاتا ہے بلکہ ان بچوں کو لڑکے لڑکی کا لحاظ کیے بغیر کھیل کی ٹیم اور جماعت کے گروپ میں اکٹھا رکھ کر ایسے مخلوط ماحول کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یہ بچے ایسے مخلوط ماحول میں پرورش پا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس طرح کا مخلوط ماحول میں رہنا کوئی خلاف اخلاق عمل نہیں ہے۔ زیادہ تر صورتوں میں اس قسم کی طرز زندگی گزارنے والے اس اسلامی اصول کہ بلوغت پر پہنچنے پر لڑکے لڑکی کو الگ الگ رکھا جانا چاہیے، کو ایک فرسودہ اصول سمجھتے ہیں۔ ایسے بیہودہ ماحول کا عادی ہو جانے کے بعد یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں لڑکوں کو اپنا دوست بناتی ہیں اور بہت سے لڑکے لڑکیوں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ تعلیمی نظام کا جو اہم جز ہے اس کا مقصد سکول کے بچوں کو آسٹریلیا کا ایک اچھا شہری بنانا ہے۔ آسٹریلیا کا ایک اچھا شہری سے مراد ملکی قانون کی پاسداری ہے خواہ وہ قانون اللہ کے قوانین سے متصادم کیوں نہ ہو۔ ہم پرچم کشائی کی تقریب میں بچوں کی تعلیم کے پہلے مرحلے کی شکل میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ ہر صبح بچے اس تقریب میں قومی ترانے گاتے ہیں اور غیر مسلم کا پرچم جو ان کے سر کے اوپر ہوتا ہے، کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں۔

بعد کے مرحلے میں عقیدہ سازی کا عمل اور تیز ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ سازی سیاسیات، قانون کی تعلیمات کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ان تعلیمات میں مغربی طرز جمہوریت کے فوائد اور برطانوی پارلیمانی نظام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح بچوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ جمہوریت حکومت کی سب سے اچھی شکل ہے۔ انہیں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اچھا شہری بننے کے لیے وہ جمہوریت پر مبنی نظام کی حمایت کریں اور ایسے نظام میں شریک ہوں۔ سکول کے مسلمان بچے اس مرحلے تک کافر کے تعلیمی نظام کو اپنے ذہنوں میں رچا بسا لیتے ہیں۔ وہ غالباً خود کو سب سے پہلے آسٹریلیا کا شہری اور بعد میں مسلمان سمجھتے ہیں۔ ان تمام ہتھکنڈوں کے ذریعے مسلمان بچوں کی اسلامی شناخت کو روبہ زوال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسلامی شناخت کا زوال انتہا تک پہنچنے پر یہ ایک مکمل غیر مسلم شناخت بن جاتی ہے۔

مسلمانوں کو جو بھی مضمون پڑھایا جاتا ہے اس میں خفیہ ایجنڈا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے ان میں کفر پیدا کیا جاتا اور انہیں اخلاقی طور پر بگاڑا جاتا ہے۔ بنی نوع انسان سے متعلق مضمون میں ہمارے بچوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ آزادانہ جنسی روش انسان کے پروان پانے کی ایک فطری شکل ہے۔ یہ لوگ ہمارے نظروں کے سامنے ہمارے بچوں کو مانع حمل چیزیں

بھی فراہم کرتے ہیں اور اسی طرح وہ انہیں زنا کرنے کی خاموشی کے ساتھ اجازت دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ طبقے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ہم جنسیت پرستی ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی مدد نہیں کی جاسکتی اور مکمل طور پر یہ ایک معمول کا طرز عمل ہے۔

تاریخ میں ہم ''دنیا کے یورپ مرکز euro-centric'' کا تصور پڑھتے ہیں جس میں عیسائیوں کو ہی صرف قابل احترام سمجھا جاتا ہے یا انہیں کسی تعریف کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ مشرقی دنیا نے مغربی دنیا کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کا شاذ و نادر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عظیم مسلمان سائنسدانوں کا تذکرہ بھی کم ہی کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ بہت سے مسلمان بچے اپنے مسلمان ہونے پر شرم محسوس کرتے ہیں۔ یہ شرمندگی اپنے مسلمان نام کے استعمال سے ان کے انکار کرنے سے ظاہر ہوتی ہے یعنی کہ نام محمد کو مائک سے جانا جاتا ہے۔

دوسری طرف عیسائی لوگ (اپنے مقررہ نصاب تعلیم کے مطابق) تمام ''اچھے کام'' انجام دے رہے ہیں۔ کیا آپ ایمانداری کے ساتھ ان پر الزام عائد کرسکتے ہیں؟ مسلمان بچوں کے ذہنوں میں شرمندگی کے جو بیج بوئے گئے ہیں ان میں بعد کی زندگی میں کفر کے کڑوے پھل ہی لگیں گے اور اسلامی شناخت کی تباہی کو یقینی بنائیں گے۔

ملک آسٹریلیا کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے ملک میں سیکولر معاشرہ ہے، اس کے باوجود تعلیمی نظام میں عیسائی عقائد و روایات کو جو اگرچہ بہت حد تک نظروں سے اوجھل ہیں، بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کرسمس کا تہوار منانے کے لیے یہ بات سرکاری سکول کے لیے بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں کہ وہ کرسمس کے کھیل کا انعقاد کریں اور سکول کے بچوں کو کرسمس پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف رکھیں مثلاً کرسمس کارڈوں کو تیار کرنا اور اسی طرح کے دیگر کام کرنا۔ اس حقیقت سے یہ مسئلہ شدت اختیار کرلیتا ہے اس لیے کہ مسلمان بچے ان سکولوں میں اقلیت میں ہوتے ہیں اور یہ سکول غیر مسلم بچوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمان بچوں پر اس بات کا دباؤ ہوتا ہے کہ وہ ایسی روایات کو اختیار کریں جن کا واضح طور پر اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مسلمان بچے اپنے دوستوں کو کرسمس تحائف کا تبادلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور وہ اپنے گھر میں بھی ایسے تحائف ملنے کی توقع رکھتے ہیں۔ اکثر یہ سکول ان عیسائی روایات کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ بچوں کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کافرانہ روش

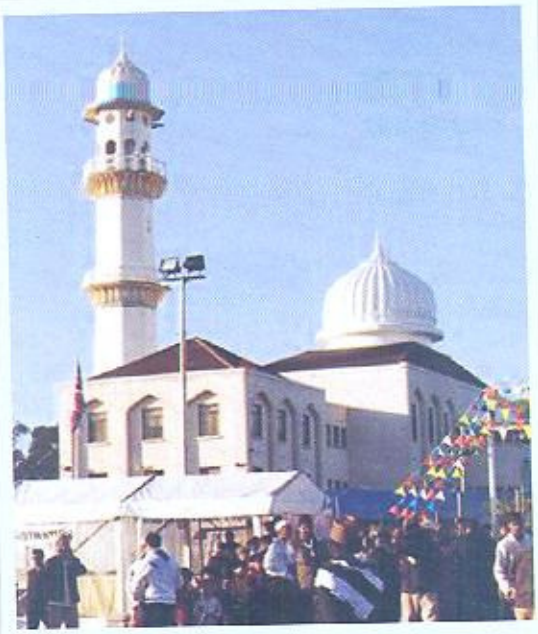

بیت الہدیٰ مسجد سڈنی

کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ والدین کو اس بات کی خبر ہو اور وہ اس سے بچنے کے لیے ضروری اقدامات کریں یا کم از کم اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے بچوں پر ان روایات کا کوئی اثر نہ ہو۔

اس قسم کا معاشرہ تشکیل دینے کا الزام ہم کفار یا ان لوگوں پر جو شیطان ہیں اور جن کے ہاتھوں میں کفار کی لگام ہے، پر عائد نہیں کرسکتے۔ ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا۔ مسلمان خاندان اپنے اسلامی اقدار کو بہت حد تک کھو چکے ہیں اور مغرب کے ہاتھ بک چکے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو تربیت گاہ اطفال اور بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز میں بھیج کر ایسا کر رہے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ ہم اپنے بچوں کو شیطانوں کے ہاتھوں میں پرورش پانے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ اس بات کی سچائی کو دیکھنے کے لیے ان مقامات کے سکول میں بچوں کے عصمت دری کے بڑھتے ہوئے واقعات کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ واقعات ہماری اسلامی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہو رہے ہیں اور ہمارے دل میں دنیا کی محبت ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے بچوں پر کوئی توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ مسلمان مائیں گھر میں رہنے کے بجائے گھر سے باہر کام کرنا پسند کرتی ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتیں کہ سکول میں ان کے بچوں کی تعلیم اسلامی طریقے پر ہو رہی ہے کہ نہیں۔ نام نہاد ''خواتین کی آزادی کی تحریک'' ''خواتین کو آزادی دلانے'' میں یقیناً کامیاب ہوگئی ہے یعنی کہ وہ مادری ذمہ داریوں کی پابندی سے آزاد ہوگئی ہیں۔ جن باپوں نے اپنے ذہن

میں مغربی کاروباری ذہنیت کو مسلط کر رکھا ہو، روحانیت کے حصول کے بجائے خاندان کی معاشی و مادی حوالے سے ترقی پر زور دیتے ہیں۔ اگر یہ بچے گھر میں صحیح اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کیے ہوئے ہوتے، تو ایسی صورت میں کفر کا بھیڑیا اتنی آسانی سے ان کا شکار کر نہیں پاتا۔

صحیح اسلامی تعلیم سکول میں سکھائی جانے والی جھوٹ اور بدعنوانی کی تعلیم کا قلع قمع کر سکتی ہے۔ یہ اسلامی تعلیم اس قسم کی دی جانی چاہیے کہ بچے دین اسلام پر قائم رہ کر فخر محسوس کریں۔ مزید یہ کہ اس اسلامی تعلیم میں اسلامی تاریخ کو بھی شامل کیا جانا چاہیے تا کہ تاریخ کے مضمون میں جس جھوٹی بات کی تعلیم دی جاتی ہے اس کا خاتمہ ہو سکے اور اسلامی قانون تعلیم کے ذریعے مغربی قانون تعلیم میں سکھائے جانے والی جھوٹی تعلیم کو رد کیا جا سکے گا۔ مسلمان والدین کو لازمی طور پر یہ ذمہ داری لینی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو صحیح عقیدہ و علم سے بہرہ مند کریں تا کہ وہ ان بھیڑیوں سے اپنا دفاع کر سکیں اور اسلامی شناخت کو زوال پذیر ہونے سے بچا سکیں۔

ذرائع ابلاغ

غیر مسلم معاشرہ میں ذرائع ابلاغ مبصرانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ نہ صرف ٹیلی ویژن بیرونی دنیا کے لیے معلومات فراہم کرتا ہے بلکہ بہت سے خاندان کے لیے بچے کی حقیقی خبر گیری کرنے والا کے طور پر بھی اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ٹیلی ویژن اور غالباً دوسرے ذرائع ابلاغ ایک کافر کی نظر سے دیکھتے ہوئے عالمی رائے پیش کرتے ہیں۔

ہم بہت سے شعبہ جات میں پیش ہونے والی کافرانہ رائے کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہم خصوصاً خبروں میں اور دیگر ابلاغ کے پروگراموں میں بہت زیادہ اخلاقی دیوالیہ پن کے مناظر دیکھ سکتے ہیں۔ خبریں ہمیں اپنے ارد گرد دنیا کے حالات کو جانچنے کا موقع فراہم کرتی ہیں ایک ایسی دنیا جس میں مجاہدین کو دہشت گرد کہا جاتا ہے اور سیدھے راستے کو ''اسلامی انتہا پسندی'' کہا جاتا ہے اور مسلمانوں کو زن بیزار اور بیوی پر تشدد کرنے والا کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ اس قسم کے پروگرام، دیکھنے والے بالغ افراد اور مسلمان بچوں میں ذاتی نفرت کا احساس پیدا کریں گے۔ اگر دنیا کی تمام بری باتوں اور برے واقعات کو مسلسل مسلمانوں سے منسوب کیا جائے گا اور لفظ مسلم کا استعمال کیا جائے گا تو ایسی صورت میں مسلمانوں میں شرمندگی کا احساس پیدا ہوگا اور جب مسلمان اپنے مسلمان ہونے میں فخر محسوس کرنا چھوڑ دیں گے تو کفر کا پھیلنا آسان ہو جائے گا۔ بالغ مسلمان کو چاہیے کہ وہ خبروں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں۔ ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں ان کا اکثر حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور انہیں چاہیے کہ وہ ہر موقع پر معیار کی بنیاد پر سچائی اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے لیے اپنے اسلامی فہم کا استعمال کریں۔

شاید ٹیلی ویژن کی جو سب سے زیادہ قابل غور بات ہے وہ فحش، بڑی اور غیر اسلامی رویوں کو دکھانا ہے اور اسے احترام کا لبادہ پہنانا ہے۔ اس کا مقصد مسلمان ناظرین کو یہ باور کرانا ہے کہ وہ روایتی سماجی طرز عمل دیکھ رہے ہیں۔ اس کی اچھی مثال نام نہاد عورت و مرد کی محبت کا منظر ہے جو کافر کی فلموں یا ٹی وی کے پروگراموں کا نہایت اہم جز ہوتا ہے۔ وہ تصویر کو اس طرح پیش کرتے ہیں تا کہ کسی طرح زنا کو مرد و زن کی محبت کے فعل کے برابر قرار دے دیا جائے اور اسے ایک انسان کا ''فطری'' رویہ قرار دے دیا جائے۔ مغرب کا یہ خیال ہے کہ اس طرح کے پیغام کی برسوں تک مسلسل یلغار کے بعد ایک مسلمان کے دل میں ایسے رویوں کے خلاف ابتداء میں جو نفرت پائی جاتی ہے وہ دب جائے گی اور وہ ایسے رویوں کو قبول کرنے لگیں گے۔

حزب التحریر آسٹریلیا میں مصری ایمبیسی کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو تنبیہ کریں کہ ٹیلی ویژن کے یہ پروگرام جو وہ دیکھ رہے ہیں، بچوں اور نوجوان لوگوں کے ذہنوں میں غلط بات ڈالنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر بہت سے کارٹون پروگراموں میں بت کی پوجا کرنے والے جوڑے کو دکھایا جاتا ہے۔ بہت سے کارٹونوں کو دیومالائی شکل دی جاتی ہے اور اس طرح بت پرستی اور جھوٹے خداؤں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے تمام کارٹون اور دیگر پروگرام ایسی بنیاد فراہم کر رہے ہیں جس سے بچے متشرک ہو جائیں۔ مثال کے طور پر ان کارٹونوں میں فوق البشر کو دکھایا جاتا ہے جو خدا جیسی قوت رکھتا

ہے اور لوگ جسے ضرورت کے وقت مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ یہ چیز توحید کے اصولوں کے خلاف ہے۔ ہم مسلمان ہیں لہٰذا ہمیں صرف اور صرف اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہیے۔

بہت سے نوجوان لوگ والدین اور بچے کے تنازعہ سے متعلق بہت زیادہ بات کرتے ہیں اور بچوں کی نشوونما کے لیے اس عمل کو ''معمول'' کا رویہ قرار دیتے ہیں۔ اس تنازعہ کا حل یہ بتایا جاتا ہے کہ والدین سے لڑائی کی جائے یا والدین کے گھر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جایا جائے۔ دونوں صورتوں میں بچوں کو تنازعہ کے حل کے طور پر خلاف اسلام ایک غیر مناسب رویہ اپنانے کا سکھایا جاتا ہے۔ ہمیں باہر کی دنیا دکھانے کے علاوہ، میڈیا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو کس نظر سے دیکھنا چاہیے۔ یہ میڈیا خود کو اور دوسرے لوگوں کو پرکھنے کے لیے ایک معیار فراہم کرتا ہے۔ میڈیا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کس طرح سے دوسرے لوگ اپنے رویوں کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بتاتا ہے کہ کس طرح سے ہمیں کامیابیوں کو دیکھنا چاہیے۔ کون سی خوبیاں ہیں جنہیں ہمیں قابل تحسین سمجھنا چاہیے۔ کس رویہ کو ہمیں عام معیار کے مطابق سمجھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر نام نہاد طرز زندگی بہت ہی نمایاں کر کے ٹی وی پر دکھائی جاتی ہے۔ ہم ٹی وی پر بہت قیمتی عالی شان مکانات دیکھتے ہیں جو دنیا کے تمام قسم کے آرائشی ساز و سامان سے آراستہ ہوتے ہیں اور ہمیں یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ یہ آسٹریلیا کا معیار ہے۔ اگر ہمارے دل میں دین اسلام کا عقیدہ مضبوط نہ ہو تو ایسی صورت میں میڈیا کے ذریعے ہمارے ذہنوں میں پیدا کردہ معیارات کو ہم اپنا معیار سمجھ کر اختیار کرنے لگیں گے۔ ایک قیمتی گاڑی اپنی ملکیت میں رکھنا اور ایک بڑے عالی شان مکان میں رہنے کو ہم کامیابی سمجھنے لگیں گے۔ ہم یہ خیال کرنے لگیں گے کہ خوبصورتی یہ ہے کہ ہم کس طرح دکھائی دے رہے ہیں ہم اس جنت کو بھلانے لگیں گے جس کا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے اور ہم دنیا میں ہی جنت تخلیق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میڈیا سے لاحق خطرات سے نمٹنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم نہایت فعال طریقے سے میڈیا اور اس کے علمی پروگراموں پر کڑی نظر رکھیں۔ نہایت فعال طریقے سے کڑی نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ہم اس بات سے باخبر رہیں کہ جو چیز ہم ٹی وی پر دیکھ رہے ہیں وہ ضروری نہیں کہ ان کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق ہو، بلکہ یہ کافرانہ نوعیت کی رائے ہوتی ہے جسے حقیقی بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی شعور کے خلاف میڈیا کا پیغام یا مخصوص خبر کے مواد کا مسلسل جائزہ لیتے رہنا چاہیے، اس بات کو دیکھنے کے لیے مذکورہ پیغام یا مواد غلط یا صحیح ہے۔ اس کے برعکس ناظرین جو تنقیدی ذہن نہیں رکھتے وہ میڈیا کو ایک ایسا ذریعہ سمجھتے ہیں جہاں سے غلط بیانی نہیں ہوتی۔ ایسے ناظرین میڈیا کے ذریعے دیئے جانے والے پیغام کو اسلامی نقطہ نظر سے اس کے مناسب ہونے کا جائزہ لیے اور سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔ بڑوں کی طرح بچوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہمیں ان پیغامات کو بہت گہری نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے جو ہمارے بچوں کے ذہن نشین کیے جا رہے ہیں۔ جب ہم کسی بات کو غیر اسلامی کہیں تو اس کو قرآن و حدیث سے واضح طور پر ثابت کریں اور یہ بھی بتائیں کہ کیوں فلاں فلاں بات صحیح نہیں ہے۔ اس کے ساتھ بچوں کو تعلیم بھی اسی طرح دی جائے کہ وہ اسلامی نقطہ

> آسٹریلیا کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے ملک میں سیکولر معاشرہ ہے، اس کے باوجود تعلیمی نظام میں عیسائی عقائد و روایات کو جو اگرچہ بہت حد تک نظروں سے اوجھل ہیں، بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

نظر سے ہر بات پر غور کریں اور انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان کے لیے کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ کفار کی رائے میں کون سی چیز اچھی ہے یا بری ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ میل جول

یہ زندگی کی حقیقت ہے کہ ہمیں لازمی طور پر کسی حد تک غیر مسلموں کے ساتھ بڑے قریبی تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ ہمارے لیے اس نوعیت کا میل جول رکھنا تقریباً ناگزیر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بدقسمتی سے ان کے ساتھ مل کر کھیلتے بھی ہیں۔ پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ کوئی بھی شخص جو کسی دوسرے لوگوں کے ساتھ چالیس دن یا اس سے زیادہ عرصے تک ساتھ رہے گا ان کی خصوصیات اس شخص پر اثر کرنا شروع ہو جائیں گی۔ اسی وجہ سے ہمیں کفار کے ساتھ رہنے میں بہت ہی احتیاط برتنی چاہیے۔ اس لیے کہ آیا ہم اس بات کو محسوس کریں یا نہ کریں ہم ان

کے کچھ رویوں اور عقائد کو اپنانا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس ملک کے مسلمانوں کے لیے اس قسم کی صورت حال ممکنہ طور پر ایک بہت بڑے خطرہ کا پیش خیمہ ہے اس لیے کہ میڈیا اور تعلیم پر باآسانی پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ عقیدہ سازی کی مہم بھی بے باک اور براہ راست انداز میں جاری وساری ہے جبکہ میل جول کے ذریعے ہماری روبہ زوال اسلامی شناخت تیزی سے مٹتی جارہی ہے۔

بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں کفار سے بہت زیادہ رابطہ رکھنے سے ہماری اپنی شناخت ختم ہونے لگتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے کفار کو اپنا دوست بنانے سے منع فرمایا ہے لیکن ہم میں سے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اللہ کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ آپ کا کوئی بھی دوست خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان یہ فطری بات ہے کہ ہم انہیں خوش رکھنا چاہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار اس وقت ہی ہم سے خوش ہوتا ہے جب ہم کفر کرنے لگیں گے۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کو اس طریقہ پر چل کر جس سے اس

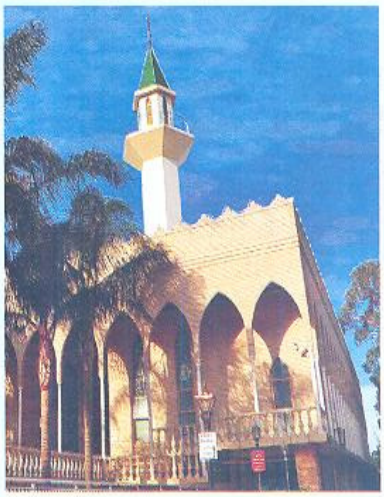

لیک ایمبا مسجد: یہ مسجد امام علی بن ابی طالب مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے جو لیک ایمبا میں واقع ہے اور آسٹریلیا کی سب سے بڑی مساجد میں سے ایک ہے

کا کافر دوست خوش ہوتا ہو، کفر کی علامات کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ کافر ممکنہ طور پر اس بات سے بھی بے خبر رہتا ہے کہ وہ اپنے دوست کو گمراہ کر رہا ہے اور اس طرح مسلمان بھی اس بات سے بے خبر رہتا ہے کہ اس کا دوست اسے گمراہ کر رہا ہے۔

اگر ایک مسلمان کفار کے ساتھ میل جول رکھتا ہے وہ یہ کوشش کرے گا کہ کفار کی جماعت میں وہ موزوں نظر آئے۔ موزوں نظر آنے کے لیے ہمیں لازمی طور پر آسٹریلوی باشندے کے طور طریقے کو اپنانا ہوگا تاکہ مسلمان کفار کی جماعت میں موزوں نظر آئے۔ موزوں نظر آنے کے لیے ہمیں لازمی طور پر آسٹریلوی باشندے کی طرز زندگی اپنانا ہوگی۔ مسلمانوں کا مثالی طور پر مغربی معاشرہ میں موزوں بننے کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ دین اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر پیش کریں جو کفار کے لیے قابل قبول ہو۔ ایسی صورتحال میں مسلمان کچھ اس طرح کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں جسے سید قطب معذرت خواہانہ ذہن سے تعبیر کرتے ہیں۔ مسلمان ہر ایک ''عجیب رویہ'' پر مبنی واقعہ کی کفار کی طرح تشریح وتوضیح کرنے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ''بالکل صحیح، وہ لوگ جو اسرائیل کی بسوں کو دھماکے سے اڑا رہے ہیں..... وہ حقیقی مسلمان نہیں ہیں''

اکثر پہلے مرحلے میں مسلمان اپنے طرز لباس کو بدلتا ہے جو اسے ایک معمولی تبدیلی نظر آتی ہے۔ حالانکہ نظر آنے والی یہ معمولی تبدیلی کہیں زیادہ بڑی تبدیلی نظر ہوتی ہے۔ جب ایک مسلمان کافروں کو ایک خاص طرز کا لباس پہنا ہوا دیکھتا ہے تو وہ خود کو کافروں کی جماعت میں موزوں نظر آنے کے لیے اس خاص طرز کا لباس پہننا پسند کرتا ہے۔ ایسا طرز عمل اختیار کر کے وہ دراصل کافروں کے ساتھ مصالحت کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان کافروں سے ایک بار مصالحت کر لیتا ہے تو دوبارہ مصالحت کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ بعد کے عمل میں وہ اپنی داڑھی منڈوا لیتا ہے۔ اس مسلمان پر سے حجاب کا لبادہ اتر جاتا ہے۔ اس کے دل سے حلال وحرام گوشت کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ شاید مصروفیات ختم ہونے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر شراب نوشی بھی اس کی نظر میں جائز ہو جاتی ہے۔ بالآخر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس مسلمان کے پاس ایک کم اثر اور کافر دوست اسلام باقی رہ جاتا ہے جسے ہم کسی صورت ایک مومن کا اسلام نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک یہ ایسا دین اسلام بن جاتا ہے جو مشرک کے عقائد سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کو مغربی طرز زندگی کے خفیہ اثرات سے باخبر رہنا چاہیے۔ مزید برآں اس خفیہ اثرات سے سب سے بہتر طور پر بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی صحبت میں رہیں اور مسلمانوں ہی سے میل جول رکھیں۔ اگر کفار کے ساتھ رابطہ رکھنا ضروری بھی ہو تو کم سے کم رابطہ رکھنے کی کوشش کریں بلکہ کفار کے رابطہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور مسلمانوں کے ساتھ رابطہ بڑھائیں۔ ایسا کرنا اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کے لیے

ملبورن: مسلمان فلسطینی عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے احتجاجی مظاہرہ کررہے ہیں

بہت ضروری ہیں اور یقیناً اس ملک میں اسلام کو زندہ رکھنے کے لیے بھی۔ ہم نے یہاں بہت سے نکات میں سے کچھ ہی نکات کا ذکر کیا ہے۔ کافر معاشرہ کا ہر ایک طور طریق ہمیں صحیح راستے سے ہٹانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم اس کا ادراک بھی کر پاتے۔

نتیجہ

سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

''(مسلمانوں میں سے) کوئی شخص ایک مشرک کے ساتھ میل جول رکھتا ہے، اس کے ساتھ اکٹھا رہتا ہے، زندگی گذارتا ہے، قیام کرتا اور اس کے طور طریقے، آراء وغیرہ سے اتفاق کرتا ہے اور اس (مشرک) کے ساتھ وہ خوشی محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت میں (وہ مسلمان) (مشرک) جیسا ہے'' [سنن ابوداؤد، کتاب جہاد]

مسلمانوں کے لیے اپنی اسلامی شناخت کو بچانے کا ایک دفاعی طریقہ ہے جس پر عمل کیا جاسکتا ہے جو کفار کی ہر ایک کوشش کو ناکام بنادے گا اور ہماری اسلامی شناخت کو برقرار رکھے گا۔ یہ دفاع علم کا حصول ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو صحیح عقیدہ سے بہرہ مند کریں اور انہیں اچھی طرح سے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ مسلمان ہونے سے کیا مراد ہے۔ کافروں کی جانب سے ایسی صورت میں کوئی حملہ یا صحیح عقیدہ سے ہٹانے یا گمراہ کرنے کی کوشش بے سود ثابت ہوگی۔ اگر مسلمان اس معاشرہ کی حقیقی فطرت کو جانتے ہوں اور اگر وہ دیکھ سکتے ہوں کہ اسے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کس طرح ترتیب دیا گیا ہے تو وہ اس کے پھندے میں گرنے سے بچ سکیں گے۔ صحیح اور غلط بات میں تمیز کرنے اور صحیح بات کو اختیار کرنے کی صلاحیت صحیح عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

بہت سے افراد پر مشتمل خاندان کی قوت بھی ایک دفاع کی حیثیت رکھتی ہے۔ والد خاندان کے گلہ بان کی طرح ہوتا ہے۔ اسے ایک گلہ بان کی طرح اپنے خاندان کے تمام افراد کو بھیڑیے سے بچانا چاہیے۔ اس صورتحال میں بھیڑیے کفار ہیں اور ہم اپنے خاندان کے افراد کا اس طرح تحفظ کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں اور بیویوں کو علم سے بہرہ مند کریں۔ بچوں کو سکول کی تعلیم کے علاوہ صحیح اسلامی تعلیم بھی دینی چاہیے۔ بچے صحیح اسلامی تعلیم رکھنے کی وجہ سے اتنے مضبوط عقیدے کے حامل ہوں گے کہ وہ درپیش بہت سے پوشیدہ خطرات سے خود کو بچا سکیں گے۔ ان بچوں کو یہ تعلیم دی جانی چاہیے کہ اس دنیا میں صرف سچائی قرآن اور پیغمبر ﷺ کی سنت ہے اور تمام باتوں کو ان دو ماخذوں میں درج بنیادی احکام و اصول پر پرکھنا چاہیے۔ آخر میں اس کا ایک حل یہ بھی ہے جس کے ذریعے ہم یقینی طور پر ان خطرات سے بچ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کفار کی صحبت سے خود کو علیحدہ کرلیں۔

یہ یقینی بات ہے کہ ایک عرصہ تک کفار ممالک میں رہنے کی وجہ سے ہم مسلمان ثقافتی انجذاب یا آمیزش کے عمل کے نتیجے میں کفار کی کچھ خصوصیات کو اپنا لیتے ہیں۔ اسلام اور کفار میں اتنا فرق ہے جیسے کہ اسلام ایک تازہ صاف و شفاف موسم بہار کا پانی کی مانند ہو جبکہ کفار ایسے ہیں جیسے کہ شہر کے گندے نالی کا سب سے نیچے کا گندہ پانی۔ اگر گندے پانی کا ایک قطرہ بھی صاف پانی میں مل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مغرب میں کفر کی گندگی کا ایک قطرہ دین اسلام کو آلودہ کر دیتا ہے۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اگر ہمارے پاس ذرائع ہوں تو ہمیں مسلم ممالک میں چلے جانا چاہیے تاکہ ہم کم از کم مسلمان بھائیوں کے ساتھ رہ سکیں اور ایک اسلامی معاشرہ میں رہ سکیں جو کافروں کی آلودگی سے پاک ہو۔